غیر مسلم ممالک میں سودی معاملات اور علمائے برصغیر کی آراء
ایک تقابلی مطالعہ

*ڈاکٹر عبدالباسط خان

The article explores the shariah status of interest based transactions in non-muslim countries in the light of muslim jurists viewpoints of indo-pak.Imam Abu Hanifa and Imam muhammed leading the Kofi school of fiqh desclare these transactions permissible conditionally while Imam shafi,Imam Malik and Imam Ahmed Bin Hanbal alongwith Imam Abu Yousuf from hanafi school mark such transaction as haram.Although the followers of hanafi school should follow the viewpoint of Imam Abu Hanifa,yet a plenty of muslim jurists of Indo-Pak prefer the opposite viewpoint presenting a number of arguments for this .The writer has concluded that the permission of these interest based transactions will bring ease to muslim minorities in purchasing houses,cars and other necessities.So collective need of necessity seems to be a prefferable point for the opinion of Imam Abu Hanifa amd Imam Muhammed.

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے تناظر میں یہ مسئلہ اردو فقہی ادب میں خاصا قدیم ہے کہ آیا دارالحرب میں سودی معاملات کرنا جائز ہے یا نہیں۔قبل اس کے کہ اس مسئلہ میں فقہائے برصغیر کی آراء کا ذکر کیا جائے بہتر ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک ذکر کر دیا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ دارالحرب میں حربی کے ساتھ سودی معاملہ کرنا مسلمان مستامن کے لیے جائز ہے۔جبکہ آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ مسلمان کے لیے سود کا معاملہ کرنا کسی جگہ بھی جائز نہیں۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا کہنا ہے کہ دارالحرب میں حربی کا مال معصوم نہیں ہوتا۔اس لیے جب مسلمان اس کی خوشی سے اس کا مال زائد لے رہا ہے تو یہ سود ہے ہی نہیں اس لیے کہ سود کا تحقق مال معصوم میں ہوتا ہے اور عصمت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔دارالاسلام سے یا مال اسلام ہونے سے یعنی یہ کہ وہ دار جہاں یہ معاملہ ہو رہا ہے اگر وہ دارالاسلام ہے تو مال معصوم ہے چاہے مستامن غیر مسلم ہو یا ذمی ہو یا خود اسلامی ریاست کا باشندہ ہو۔اسی طرح اگر مال مسلمان کا ہے تو پھر بھی معصوم ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، لاہور۔

ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا کہنا ہے کہ مسلمان احکام اسلام کا ہر جگہ پابند ہے چاہے وہ جگہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب۔ لہذا اس کے لیے سود کی حرمت کا حکم ہر جگہ رہے گا۔[۱]

ہندوستان میں اس مسئلہ پر بحث کا آغاز غالباً شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے فتویٰ سے ہوا۔ اس کے بعد اس مسئلہ پر گفتگو کا ایک لمبا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حنفی فقہ کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کے قول کو صاحبین کے قول پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ حنفیہ کے ائمہ میں اختلاف ہو تو ترجیح قوت دلیل کی بناء پر ہوتی ہے۔ تاہم اکثر کا کہنا ہے کہ ترجیح بہر حال امام صاحب کے قول کو ہوگی۔ لیکن اگر قوت دلیل والی بات کو بھی تسلیم کرلیا جائے۔ پھر بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ (طرفین) کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اصل میں تو بہر حال طرفین کا قول راجح ہے۔ تاہم مفتی کو ایسے موقع پر دونوں اقوال کے درمیان ترجیح کا حق حاصل ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس ترجیح کی وجہ فسادِ زمانہ بھی ہوتا ہے۔ بہر حال علمائے برصغیر کی ایک جماعت کے ہاں طرفین کے قول پر فتویٰ تھا اور دوسری جماعت کے ہاں ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ تھا۔

یہاں اس بات کا ذکر کر دینا نہایت مناسب ہے کہ تمام معاصر غیر مسلم ممالک قدیم فقہاء کے نظریات کے مطابق دارالحرب ہی ہیں اور معاصر فقہاء اگرچہ دارالحرب بلکہ دارالسلام کو بھی دارالامن، دارالشر والفساد اور دیگر کئی قسموں میں تقسیم کر کے ان کے الگ الگ احکام متعین کرتے ہیں، تاہم جب مسلم اقلیت سے لبریز اکثر غیر مسلم ملاک افغانستان اور عراق وغیرہ پر حملہ آور ہیں اور NATO میں شامل ہیں تو اب ان کے دار الحرب ہونے میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ لہذا اکثر معاصر غیر مسلم ممالک زیر نظر سطور میں بار بار استعمال ہونے والی اصطلاح ''دارالحرب'' کے مصداق ہیں۔

مانعین کا مؤقف

مانعین کا مؤقف یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے سود کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔ خواہ دارالحرب ہو یا دارالاسلام چاہے مسلمان کا سود لینا ہو یا دینا۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا فتویٰ جو فتاویٰ رشیدیہ میں منقول ہے وہ عدم جواز کا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ آپ کا فتویٰ جواز کا تھا لیکن آخری رائے عدم جواز کی تھی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے لکھا ہے کہ مولانا گنگوہی فتنہ کے خوف سے عدم جواز کا فتویٰ دیتے تھے ورنہ ان کی اصل رائے جواز کی تھی۔[۲] برصغیر کے نمایاں فتاویٰ میں اسی احتیاط کے پیش نظر عدم جواز کا فتویٰ ہے۔[۳] معاصر علماء میں سے بھی اکثر کی رائے عدم جواز کی ہے۔[۴]

مانعین کے دلائل

۱۔ مانعین کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف کا قول دلائل کے اعتبار سے راجح ہے۔اس کی ترجیح کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

الف۔ مسلمان ہر جگہ احکام شریعت کا پابند ہے۔خواہ دارالحرب میں ہو یا دارالاسلام میں۔۵

ب۔ طرفین کے پاس صرف ایک دلیل ہے۔۶

"لاربوا بین المسلم والحربی فی دارالحرب"۔۷

دارالحرب میں مسلمان اور حربی (کافر) کے درمیان ربوا نہیں ہوتا۔

حالانکہ اس حدیث کے بارے میں ابن حجر کہتے ہیں:

"لم اجده، لكن ذكره الشافعي ومن طريقة البيهقي قال قال ابويوسف وانما قال ابوحنيفة هذالان بعض المشيخة حدثنا عن مكحول عن رسول الله ﷺ قال لا ربوا بين اهل الحرب اظنه قال واهل الاسلام"۸

حاصل عبارت یہ ہے کہ ابن حجر کو اس حدیث کے اتصال کا سراغ نہیں ملا۔وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی نے اس کا ذکر کیا ہے۔بیہقی کی سند میں ہے کہ امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد کہا تھا کہ بعض مشائخ اسے مکحول کی رسول اللہ ﷺ سے مروی روایت کہتے ہیں۔وہ روایت یہ ہے کہ اہل حرب کے درمیان ربوا نہیں ہے۔غالباً اس کے ساتھ اہل اسلام کا لفظ بھی کہا تھا۔یعنی اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربوٰ کا تحقق نہیں ہوتا۔

ج۔ حالانکہ اس مذکورہ بالا روایت کا معنی بھی ایسا بن سکتا ہے جو سود لینے کے جواز کو ختم کر دے۔وہ یہ کہ یہاں "لا" نہی کے لیے ہو۔اس کا معنی یہ ہوگا کہ مسلمان ہرگز حربی سے سود کا معاملہ نہ کرے۔اور اس کی خاص ممانعت کی وجہ یہ ہو کہ حربی کے مال کے غیر معصوم ہونے کے باعث اس کی اباحت کا شبہ ہو سکتا تھا۔اس شبہ کو ختم کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا۔۹

۲۔ قرآن کریم میں سود کی حرمت سے متعلق جتنی نصوص ہیں ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ سودی معاملہ کرے گا۔سود خور کو خدائے عزوجل نے مجنون قرار دیا ہے۔حدیث

پاک میں ہے کہ سود میں بہت سے گناہ ہیں جن میں سب سے ادنیٰ گناہ ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی لیے ارشاد فرمایا تھا کہ سود اور سود سے مشابہہ چیزوں کو ہی چھوڑ دو۔۱۰

۳۔ شریعت نے جس کو خبیث کہا ہے اس کی خباثت صرف دارالاسلام تک محدود نہ ہوگی بلکہ یہ خباثت اس معاملہ کی فطرت ہے لہذا یہ معاملہ جس جگہ بھی ہوگا، یہ خباثت موجود رہے گی۔۱۱

۴۔ حدیث میں مسلم و حربی کے درمیان ربٰوا کو صرف دارالحرب کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اور دارالحرب بلحاظ جواز ربا صرف وہی کہلائے گا جو عملاً مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہو۔ اس خاص حالت جنگ میں دارالحرب کے لوگوں کا مال ان کی رضامندی سے زائد لیا جا سکتا ہے۔۱۲

مجوزین کا مؤقف

مجوزین کا مؤقف یہ ہے کہ دارالحرب میں مسلمان کا حربی سے سود لینا جائز ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی کے مؤقف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان کے سود لینے اور دینے دونوں کو جائز سمجھتے ہیں۔۱۳

معاصر علماء میں سے مفتی محمد زید اور مولانا آدم پالنپوری نے مولانا مناظر کے مؤقف کی تائید کی ہے۔۱۴

مولانا قاسم نانوتویؒ کا مؤقف یہ تھا کہ حربی سے اس مسلمان کا معاملہ کرنا جائز ہے جو دارالحرب میں مستامن ہو۔ البتہ جو دارالحرب سے یہاں آکر رہ پڑا اس سے یہ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔۱۵

مولانا انور شاہ کشمیری کا مؤقف یہ تھا کہ دارالحرب میں حربی سے مسلمان کا سودی معاملہ کرنا جائز ہے۔۱۶

جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ بھی حربی سے سود لینے کے جواز ہی پر مشتمل ہے۔۱۷

مفتی عبدالواحد نے لکھا ہے:

> ''وہ مسلمان جو ویزا لے کر دارالحرب میں گیا ہو (یعنی مسلم مستامن) اور وہ شخص جو دارالحرب میں مسلمان ہوا ہو (یعنی مسلم حربی) یہ لوگ کافر حربی اور مسلم حربی سے سود لے سکتے ہیں۔''۱۸

پھر لکھتے ہیں:

> ''مسلم اصلی یعنی وہ مسلمان شخص جسے دارالحرب میں مستقل سکونت کی اجازت مل گئی ہو یا جس دارالاسلام کا وہ پہلے باشندہ تھا وہ دارالحرب میں تبدیل ہو گیا ہو یہ بھی دارالحرب میں حربی

سے سود لے سکتا ہے۔" ۱۹

اسلامک اکیڈمی (بریلوی مکتبہ فکر) کی رائے بھی یہی ہے۔ ۲۰

مفتی عبدالواحد نے یہ صراحت کر دی ہے کہ یہ مسئلہ اصل کے اعتبار سے ہے۔ اگر کسی جگہ کے علماء مفاسد کے اندیشے کے پیش نظر سود لینے سے اجتناب کا فتویٰ دیں تو ان کے فتویٰ پر عمل کیا جائے۔ ۲۱

مولانا رضا احمد خان بریلوی کی رائے یہ ہے کہ دارالاسلام اور دارالحرب دونوں میں حربی سے سود لینا جائز ہے۔ ۲۲

مجوزین کے دلائل

مجوزین کے دلائل کو بیان کرنے سے پہلے یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مجوزین میں سے بعض حضرات نے اس مسئلے کے لیے فقہاء کی ایک یا دو تصریحات کو کافی سمجھا ہے جبکہ مولانا مناظر احسن گیلانی سے اس مسئلہ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ اور دلائل کا اچھا خاصا ذخیرہ پیش کیا ہے۔

۱۔ حربی کے مال کو عصمت حاصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ مدار عصمت اموالِ اسلام ہے یا دارالاسلام۔ اور حربی کے مال میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ لہذا جب اس کا مال مباح ہوا تو یہ صرف ظاہرا سود نظر آتا ہے حقیقت میں یہ سود ہے ہی نہیں بلکہ حربی سے اس کی رضامندی سے اس کا مال لینا ہے جو ظاہر ہے کہ جائز ہی ہے۔ جہاں مال کو عصمت حاصل ہوگی تو وہاں زیادتی سود بنے گی۔ ۲۳

۲۔ امام ابوحنیفہؒ کے پاس اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے صرف ایک ہی حدیث نہیں بلکہ ایک مضبوط و محکم بنیاد ہے جو دلیلِ اوّل میں ذکر ہوئی۔ اگر اس بنیاد کو ایک دلیل ہی تسلیم کر لیا جائے تو یہ بجائے خود اتنی مضبوط ہے کہ اس کے مقابلے میں کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ ۲۴ تاہم مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل دلائل بھی تائیداً ذکر کیے ہیں۔

۳۔ حضرت عباسؓ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ جبکہ ربا کا حکم فتح خیبر سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں مکہ میں رہتے ہوئے سودی معاملے سے منع نہیں فرمایا۔ امام طحاوی نے اس بات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۲۵

۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایران و روم کی جنگ کے سلسلے میں ایک کافر کے ساتھ شرط لگائی تھی۔ شرط جیتنے کے نتیجے میں حضرت ابوبکرؓ کو ۱۰۰ اونٹ ملے۔ اگر دارالحرب میں قمار کا یہ معاملہ ناجائز ہوتا تو رسول

اللہ اس معاملے کے کرنے کا حکم نہ دیتے اور نہ ہی مال کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ملک قرار دیتے۔ البتہ جیتنے کے بعد محض شکرانے کے طور پر ابوبکرؓ نے ان کو صدقہ فرما دیا تھا۔۲۶

۵۔ رکانہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی لڑائی ہوئی، آپ تین مرتبہ جیتے تو رکانہ نے کہا:

"ماوضع احد جنبی وما انت صرعتنی"۲۷

یہ سن کر رسول اللہ نے سب کچھ ان کو واپس کر دیا۔

سرخسیؒ نے لکھا ہے:

"لو كان ذلك مكروها مادخل فيه رسول الله ﷺ."۲۸

البتہ آپ نے مال صرف تالیف قلب کے طور پر واپس فرمایا تھا۔۲۹

۶۔ بنی قینقاع اور بنو نضیر کے یہودیوں کو جب شرارتوں کے باعث جلاوطن کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ضعوا وتجعلوا"۳۰

یہ بھی ظاہراً ایک ربا کی صورت تھی کہ دس کی جگہ مثلاً پانچ ہی لے لو۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے جائز رکھا ہے۔۳۱

۷۔ مکحول کی روایت کے بارے میں سنداً کلام ہوسکتا ہے۔ تاہم ظاہر یہ ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام ابویوسف کو یہ حدیث محض تشفی اور تائید کے لیے سنائی تھی کہ ربوٰا ایک بہت شدید معاملہ محسوس ہوتا ہے ورنہ قمار، شراب، خنزیر سب اس کے نیچے آتے ہیں۔۳۲

اسی لیے سرخسی نے اس روایت کی تائید کی ہے۔

"هذا مرسل ومكحول ثقة والمرسل من مثله مقبول" ۳۳

۷۔ ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری بھی اس عقد کے جواز کے قائل تھے۔ امام طحاوی نے اپنی متصل سند سے یہ بات بیان کی ہے۔ جب یہ دونوں جلیل القدر بزرگ اس کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ فقہ کوفہ کا ایک متفقہ مسئلہ ہے۔۳۴

۸۔ قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور تنگدستی کے باعث کچھ مانگا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ صبر کرو وہ چلا گیا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال بطور غنیمت دشمن سے لے کر آیا آپ نے اس مال کو اس کے لیے حلال قرار دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حربی کا مال تھا جسے آپ ﷺ نے مباح قرار دیا۔۳۵

مولانا مناظر نے سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی کی موافقت کو مستقل دلائل کی حیثیت دی ہے اور فتح مکہ کے بعد حضرت عباسؓ کے معاملے کو فتح خیبر کے بعد کے معاملے سے علیحدہ حیثیت دی ہے۔ اس طرح اپنی تائید میں انہوں نے دس دلائل پیش کیے ہیں اور کہا ہے کہ اگر کوئی زیادتی کا طالب ہو تو مزید دلائل دیے جاسکتے ہیں۔[۳۶]

مولانا مناظر و مفتی محمد زید کے انفرادی مؤقف کی وضاحت اور دلائل

دو امور اس مؤقف میں منفرد ہیں۔

اول: باوجود اس کے کہ مسلمان اس حربی سے اس کی رضا سے مال لے کر مالک بن چکا ہے۔ مولانا مناظر احسن گیلانی اس معاملے کو مکروہ ضرور خیال کرتے ہیں اور اس معاملہ کو فاسد سمجھتے ہیں۔[۳۷]

دوم: دونوں حضرات حربی سے سود لینے اور دینے دونوں کو جائز کہتے ہیں۔[۳۸]

دلائل:

۱۔ مسلمان کی اس معاملہ میں شرکت غلط ہے اس لیے معاملہ فاسد ہے اور ایک سودی معاملہ کرنے کا گناہ اسے ضرور ہوگا مگر مال کا وہ مالک بن چکا ہے۔[۳۹] بین الاقوامی اباحت کا یہ قانون ہے کہ جس طرح ہمارے مال ان کے لیے معصوم نہیں ان کے مال ہمارے لیے معصوم نہ ہوں۔ لہذا حربی سے مسلمان سود لے بھی سکتا ہے اور دے بھی سکتا ہے۔[۴۰]

۲۔ خود علامہ شامی کو اس کا اعتراف ہے کہ عبارات فقہیہ کا اطلاق یہی بتلاتا ہے کہ مسلمان سود لے اور دے سکتا ہے۔ پھر فقہاء نے صرف سود لینے کی بات اس لیے کی ہے کہ مقصود اس جواز سے مسلمان کو فائدہ پہنچانا ہے اور وہ سود لینے میں حاصل ہوتا ہے مگر یہ ضروری نہیں۔ جب مسلمان سودی قرض لے گا تو اسے نقد رقم مل جائے گی اور وہ اس نقد رقم کو ادھار میں واپس کردے گا اور یہ نقد رقم مل جانا بھی ایک فائدہ ہے۔ لہذا جواز دونوں صورتوں کا ہے۔[۴۱]

مفتی عبدالواحد کے انفرادی مؤقف کی وضاحت و دلیل

مولانا نے لکھا ہے کہ سود لینے والے کا مسلم مستامن ہونا ضروری نہیں وہ مسلم اصلی بھی ہوسکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ذکر کی ہے کہ جب حربی کا مال مباح ہے خواہ کافر ہو یا مسلم۔ تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مسلم حربی نہ ہو یعنی مسلم مستامن ہو یا مسلم اصلی ہو اس کا مال مباح نہیں یعنی کوئی اس سے سود لے نہیں سکتا وہ گویا

پھر خود تو لے سکتا ہے۔ نیز یہ کہ جب مسلم مستامن اور مسلم حربی کے لیے حربی کا مال مباح ہے تو پھر مسلم اصلی کے لیے بھی مباح ہونا چاہیے۔ اس سے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ ۴۲

مولانا احمد رضا خان کے انفرادی مؤقف کی وضاحت اور دلیل

سود کی حرمت کی علت مال کا محظور (ممنوع) ہونا ہے۔ ورنہ "لا ربوا بین المسلم والحربی" میں حربی کی قید اتفاقی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حربی بغیر امان کے دارالاسلام میں آجائے تو اس کا مال مباح ہوگا، لہذا اس صورت میں بھی حربی سے بطیب خاطر اضافہ جائز ہی ہوگا۔ ۴۳

مجوزین کے دلائل پر مانعین کے اعتراضات

۱۔ محارب اور غیر محارب میں فرق ہے۔ محارب وہ لوگ ہیں جو براہ راست مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں جبکہ غیر محارب وہ ہیں جو براہ راست مسلمانوں سے برسر پیکار نہ ہوں۔

احادیث و آثار میں جہاں بھی حربی کے مال کے مباح ہونے کا صراحتاً یا اشارۃً ذکر ملتا ہے وہ سب اسی مندرجہ بالا معنی کے اعتبار سے محارب ہیں۔ ۴۴ وہ بھی صرف اس لیے کہ جنگ کی حالت اضطراری حالت ہے نیز یہ کہ دشمن کا مال فی الاصل مباح ہے۔ ۴۵

۲۔ وہ تمام عبارات فقہاء جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم مستامن دارالحرب میں جس بھی طریقے سے حربیوں کا مال حاصل کرے مباح ہے، محل نظر ہیں۔ ان تمام عبارات کو حالت جنگ یا کم از کم محارب لوگوں کے ساتھ مقید ہونا چاہیے۔ ۴۶

۳۔ جہاں مسلمان غیر مسلم مقبوضات میں خوب شان و شوکت کے ساتھ رہ رہے ہوں اور وہ اسلامی احکام پر عمل بھی کر سکتے ہوں وہاں ایسے فتاویٰ سے جو فساد و انتشار پیدا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ ۴۷

۴۔ حضرت ابو بکرؓ کی شرط اس زمانے کی ہے جب قمار کی تحریم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ ۴۸

۵۔ اگر مجوزین کی بات کو درست تسلیم کر لیا جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ دے دیا جائے تو انجام کار مسلمان ہر جگہ سودی معاملہ ہی کریں گے پھر مسلمان، مسلمان سے بھی سود لے گا۔ ۴۹

۶۔ اگر دارالاسلام کے علاوہ ہر جگہ دارالحرب ہی ہو جائے تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسلمان کسی کے مال و جان کا احترام نہیں کریں گے بلکہ سب کے اموال و نفوس ان کے لیے مباح ہو جائیں گے۔ ۵۰

۷۔ کوئی ایسی مثال پیش کی جائے جس سے ظاہر ہو کہ مسلمان بغیر حالت جنگ کے سود کا معاملہ کرتے

تھے۔[۵۱]

حضرت عباس والی بات درست نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ جب رسول ﷺ کو مکہ کے لوگوں پر نفاذ کی قوت ہی نہ تھی تو وہ کیسے حکم دیتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت عباسؓ کے سودی کاروبار کا علم تھا۔[۵۲] نیز حضرت عباس والی حدیث کی مندرجہ ذیل تاویلات کی گئی ہیں۔

(i) حضرت عباسؓ کو مکہ میں اظہار شرک کی اجازت تھی حالانکہ عام حالات میں کسی کو اس کی اجازت نہیں اسی طرح انہیں سود لینے کی اجازت دی گئی ہوگی۔

(ii) عین ممکن ہے کہ حضرت عباسؓ نے معاملہ لاعلمی کی وجہ سے جاری رکھا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت عباسؓ نے حدیث سے حرام ہونے والی سود کی قسم ربوالفضل کو جاری رکھا ہو اور ربوالنسا جو عربوں میں پہلے سے ہی رائج تھی اسے چھوڑ دیا ہو اور ناقلین نے اسی جاری رہنے والی قسم کا حوالہ دیتے ہوئے ان کی طرف معاملات سود کے جاری رکھنے کی نسبت کردی ہو۔

(iii) یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے آپ کا اسلام سے پہلے والا سود معاف کیا ہو۔ اس لیے کہ اسلام لانے کے بعد آپ کے سودی معاملات پر کوئی واضح دلیل نہیں۔

(iv) ممکن ہے کہ حضرت عباسؓ اس وجہ سے سودی معاملہ نہیں کررہے تھے کہ دارالحرب میں سود جائز ہے بلکہ اس وقت تک سود کی حرمت کے حکم کو قطعیت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے کہ ۹ھ میں آیت حرمت ربا نازل ہوئی پھر کہیں یہ حرمت ربا کا حکم قطعیت کے درجہ میں آیا۔[۵۳]

حاصل بحث

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ (طرفین) کی رائے کوئی دبستان فقہ کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ بلکہ اگر مکحولؒ کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ امام ابو یوسفؒ سے مروی روایت کے راوی ہونے کے ساتھ ساتھ اسی روایت کے قائل بھی ہیں تو پھر شامی دبستان فقہ بھی اسی نقطہ نظر کی حامی ہو جائے گا۔ البتہ فقہائے برصغیر کے ہاں اس مسئلہ میں اتنی متنوع آراء ہیں کہ اگر رخصت پر بنیاد رکھی جائے تو غیر مسلم ممالک کیا مسلم ممالک میں موجود غیر مسلم ممالک کے بینکوں کی شاخوں سے سود لینا بھی جائز ہو جائے گا۔ لیکن اولاً تو شاید ہی کوئی ایسا بین الاقوامی بینک ہو جس میں مسلمان امراء کے حصص نہ ہوں۔ نیز یہ کہ مسلم ممالک میں موجود ان بین الاقوامی بینکوں سے جو غیر مسلموں کے ہیں، سود لینے کی اجازت دینا حقیقۃً ایک بہت بڑے فساد کا دروازہ کھولنا ہے۔

جہاں تک مسلم اقلیت کا تعلق ہے تو انہیں ان کے رہائشی غیر مسلم ممالک میں اکثر اوقات ایسی تنگیاں درپیش ہوتی ہیں جن سے فقہ کے درجہ ضرورت کا تحقق تو ہو ہی جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انہیں اکثر رہائش، گاڑی اور دیگر اشیائے ضرورت رہن (Mortgage) کے اصول کے تحت حاصل کرنی پڑتی ہیں اور بینکوں سے سود لینے کی بجائے دینا پڑتا ہے لہذا جب ان کے لیے سود لینے اور دینے دونوں کی گنجائش ہے تو پھر اجازت میں کیا امر مانع ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ انہیں اب ان اشیائے ضرورت کے حصول کے لیے اپنے ادارے بنانے چاہیں یا کم از کم اپنے قوانین ضرور منظور کروانے چاہیں۔ اب بعض جگہ اس میں پیش رفت بھی ہو رہی ہے۔ بہر حال جب تک کوئی صورت پیدا نہ ہو، غیر مسلم ممالک میں سود لینے اور دینے کی اجازت دینے میں کوئی حرج نہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ نووی، یحیٰ بن شرف، المجموع شرح المهذب، بیروت، دار الفکر ۱۴۰۹ھ، کتاب البیوع، باب الربا، ۹/ ۳۹۱؛ ابن قدامہ مقدسی، عبداللہ بن احمد، المغنی، مصر، مکتبۃ القاہرہ، س ن، کتاب البیوع، باب الربا، فصل الربا فی الحرب، ۴/ ۳۲۔؛ امام مالک کی رائے اگرچہ عدم جواز ہی کی بیان کی جاتی ہے تاہم مالکیہ میں سے ابن رشد، حضرت عباسؓ والے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے جوز کے قائل ہیں، ملاحظہ ہو: ابن رشد، ابو الولید محمد بن احمد، البیان والتحصیل، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۰۸ھ، ۱۷/ ۲۹۱؛ سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۱۴ھ، کتاب السیر، باب صلح الملوک والموادعۃ، ۱۰/ ۹۵؛ کاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ، کتاب السیر، فصل فی بیان الاحکام التی تختلف باختلاف الدارین، ۷/ ۱۳۲، ۱۳۳

۲۔ گنگوہی، رشید احمد، مولانا، تالیفات رشیدیہ، لاہور، ادارہ اسلامیات، ص ۴۱۰، محمد شفیع، مفتی، امداد المفتین، کراچی دار الاشاعت، ۲۰۰۱ء، ص ۶؛ حسین احمد مدنی، مولانا، فتاوی شیخ الاسلام، (مرتب) سلمان منصور پوری، لاہور، نفیس پبلشرز، س ن، ص ۱۳۹

۳۔ تھانوی، اشرف علی، مولانا، امداد الفتاوی، کراچی، مکتبۃ دار العلوم، س ن، ۳/ ۱۵۵-۱۶۰؛ کفایت اللہ، مفتی، کفایت المفتی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، س ن، ۸/ ۷۵؛ نظام الدین، مفتی، منتخبات نظام الفتاوی، (مرتب) مجاہد الاسلام قاسمی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، س ن، ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰-۲۶۹؛ محمود حسن گنگوہی، مفتی، فتوی محمودیہ، کراچی جامعہ فاروقیہ، ۲۰۰۵ء، ۱۶/ ۳۵۴، لاجپوری، عبد الرحیم، مفتی، فتاوی رحیمیہ، کراچی، دار الاشاعت، ۲۰۰۳ء، ۳/ ۱۷۴

۴۔ لدھیانوی، رشید احمد مفتی، احسن الفتاوی، کراچی ایچ، ایم، سعید کمپنی، ۱۴۲۵ھ، ۷/ ۲۰، ۲۱؛ خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا، جدید فقہی مسائل، کراچی زم زم پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ۴/ ۳۹؛ جدید فقہی مباحث میں مندرجہ ذیل فقہاء کی رائے بھی عدم جواز کی ہے۔ مجاہد الاسلام قاسمی (مرتب) جدید فقہی مباحث،

کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۲۰۰۹ء، عبید اللہ اسعدی، ربوٰا کی شرعی حیثیت، ص ۴۰۷؛ جنید عالم ندوی، مولانا، ربوٰا کا مسئلہ، ص ۳۶۸-۳۶۹؛ حبیب الرحمٰن خیر آبادی، مولانا، موجودہ سودی بینکنگ نظام اور معاشی مسائل کا حل، ص ۳۴۵-۳۴۶؛ نسیم احمد قاسمی، مفتی، سودی معاملات شریعت کی نظر میں، ۲۴۲-۲۴۳؛ ص ۴۰۷

۵ سید محمد میاں، مولانا، ہندوستان میں عقود فاسدہ کا حکم، مشمولہ نظام الفتاویٰ ۱/ ۲۵۹-۲۶۰

۶ ظفر احمد عثمانی، مولانا، غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار وغیرہ کا حکم، معارف، اعظم گڑھ، انڈیا، جنوری ۱۹۴۵ء، ص ۱۱۱

۷ مرغینانی، علی بن ابی بکر، الھدایہ مع نصب الرایہ مصر، دار الحدیث، ۱۳۵۷ھ، ۶۵۲/۳

۸ محولہ بالا ۹ امداد الفتاویٰ، ۳/ ۱۵۸

۱۰ احسن الفتاویٰ، ۷/ ۲۰-۲۱ ۱۱ نظام الفتاویٰ، ۱/ ۲۵۹-۲۶۰

۱۲ یہ مولانا مودودی کے مؤقف کا خلاصہ ہے۔ تفصیل دلائل کے ذیل میں آرہی ہے۔

۱۳ گیلانی، مناظر احسن، مولانا، مقالات گیلانی، لاہور، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، ص ۱۵۵-۱۵۷

۱۴ محمد زید، مفتی، ربوٰا کی شرعی حقیقت، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۴۹۷؛ آدم پالنپوری، مولانا، مسئلہ ربوا، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۳۵۹

۱۵ فتاویٰ شیخ اسلام، ص ۱۳۸

۱۶ انور شاہ کشمیری، مولانا، ملفوظات، محدث کشمیری، (مرتب) احمد رضا بجنوری، مولانا، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، س ن، ص ۱۵۶

۱۷ جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ مورخہ ۲۴ محرم، ۱۴۲۹ھ

۱۸ عبد الواحد، مفتی، ڈاکٹر، مسائل بہشتی زیور، لاہور، مکتبۃ الحسن، س۔ن، ۲/ ۲۶۵-۲۶۶

۱۹ ایضا، ۲/ ۲۶۶

۲۰ اسلامک اکیڈمی، ''کافر ملکوں میں بینکوں سے جو سود ملتا ہے کیا اسے لینا صحیح ہے؟ تاریخ استفادہ ۲ فروری ۲۰۰۹ء http//:www.islamicacademy.org

۲۱ مسائل بہشتی زیور، ۲/ ۲۶۶؛ عبد الواحد، مفتی، ڈاکٹر، فقہی مضامین، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۲۰۰۶ء، ص ۴۳۱

۲۲ مطیع الرحمٰن رضوی، مولانا، ہندوستان میں سود کا مسئلہ، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/ ۵۰۵؛ احمد رضا خان بریلوی، مولانا، فتاویٰ رضویہ، لاہور، جامعہ نظامیہ رضویہ، ۲۰۰۰ء، ۱۷/ ۳۱۳

۲۳ جامعہ اشرفیہ کا فتویٰ، مورخہ ۲۴ محرم، ۱۴۲۹ھ

۲۴ یہ مولانا مناظر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے۔ مقالات گیلانی، ص ۷۶-۱۱۱

۲۵۔ مقالات گیلانی، ص۱۱۲-۱۱۶؛ طحاوی، احمد بن سلامہ، مشکل الآثار، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۵ھ، ۴/۳۳۴-۳۳۵

۲۶۔ مقالات گیلانی، ص۱۱۶-۱۱۷؛ شیبانی، محمد بن حسن، السیر الکبیر مع الشرح (شارح سرخسی، محمد بن احمد)، حیدرآباد، دائرۃ المعارف، ۱۳۳۵ھ، ۳/۱۷۹

۲۷۔ مقالات گیلانی، ص۱۱۷-۱۱۸؛ السیر الکبیر، ۳/۱۸۰

۲۸۔ شرح السرخسی علی السیر الکبیر، ۳/۱۸۰

۲۹۔ مقالات گیلانی، ص۱۱۷-۱۱۸؛ شرح السرخسی علی السیر الکبیر، ۳/۱۸۰

۳۰۔ دار قطنی، علی بن عمر، السنن، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۴۲۳ھ، کتاب البیوع، ۳/۴۶، ح۱۹۰

۳۱۔ مقالات گیلانی، ص۱۱۸-۱۱۹

۳۲۔ ایضا، ص۱۲۰

۳۳۔ شرح السرخسی السیر الکبیر، ۳/۸۵

۳۴۔ مقالات گیلانی، ص۱۲۳-۱۲۴

۳۵۔ ایضا، ص۱۲۱-۱۲۲

۳۶۔ مقالات گیلانی، ص۱۲۵

۳۷۔ ایضا، ص۱۰۰

۳۸۔ ایضا، ص۱۵۵-۱۵۷

۳۹۔ ایضا، ص۹۶-۱۰۳

۴۰۔ محولہ بالا

۴۱۔ ربوا کی شرعی حیثیت، مشمولہ جدید فقہی مباحث، ۲/۴۹۷

۴۲۔ فقہی مضامین، ص۴۲۶

۴۳۔ فتاویٰ رضویہ، ۱۷/۳۱۳؛ ہندوستان میں سود کا مسئلہ، جدید فقہی مباحث، ۲/۵۰۵

۴۴۔ مولانا مودودی کے مولانا مناظر کے مضمون پر حواشی مشمولہ سود، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص۲۴۱-۲۴۲

۴۵۔ ایضا، ص۲۴۱-۲۴۵

۴۶۔ ایضا، ص۲۴۶

۴۷۔ ایضا، ص۲۴۶-۲۴۷

۴۸۔ ایضا، ص۲۴۷-۲۴۸

۴۹۔ ایضا، ص۲۶۶

۵۰۔ مولانا مودودی کے مولانا مناظر کے مضمون پر حواشی، ص۲۶۶

۵۱۔ ایضا، ص۲۶۸-۲۶۹

۵۲۔ ایضا، ص۲۷۱

۵۳۔ یہ چار تاویلات مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ڈاکٹر نزیہ حماد کے مقالہ ''احکام التعامل بالربا بین المسلمین وغیر المسلمین'' سے نقل کی ہیں۔ جدید فقہی مسائل، ۴/۳۷-۳۸